اخوان المسلمون: ۱۹۵۲ کے بعد

مشاہدات و تاثرات

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

اخوان المسلمون پر محمد شوقی ذکی کی کتاب کا ترجمہ ۱۹۵۷ میں مکتبہ الحسنات رام پور سے شائع ہوا تھا۔ اب ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی نے اپنے اس ترجمے کا دوسرا ایڈیشن شائع کروایا تو مقدمے میں بعد کے دور کے مدوجزر بیان کیے جو ذاتی معلومات کی بنا پر اخوان پر ایک قیمتی مقالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ اختصار کی خاطر کچھ حصے حذف کیے گئے ہیں۔ (مدیر)

عصر حاضر میں دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی تحریک ہو گی جو جبر و قہر' قید و بند' دار و رسن اور کینہ و عداوت کے ایسے ابتلا سے گزری ہو جس سے یہ تحریک گزری اور پھر بھی وہ زندہ و فعال ہو۔ میں جس طرح مصر میں اخوان المسلمین کے کامران و مقبول ایام کا شاہد ہوں' اسی طرح ان کے ان ایام ابتلا کا بھی عینی شاہد ہوں۔

اخوان سے میرا تعلق مصر جانے سے قبل مکہ مکرمہ سے شروع ہو چکا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۵۰ میں استاد معظم مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور مرشدی مرحوم و مغفور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی معیت میں حج پر گیا اور وہاں تعلیمی غرض سے میرا قیام تین سال رہا۔ اسی سال مصر سے اخوان المسلمین کے ایک جواں سال رہنما استاذ سعید رمضان بھی آئے ہوئے تھے۔ مولانا مدظلہ کے شاگرد اور کارکن کی حیثیت سے میرا بھی موصوف سے تعارف ہوا' جو بعد میں مصر و شام اور جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں برسوں قائم رہا۔ میں نے اس اثر انگیز' سحر آفریں اور شعلہ بار اخوانی رہنما و خطیب (یہ تحریک اخوان المسلمین کے بانی و قائد حسن البنا شہید کے داماد بھی تھے) کو جو پیشے کے لحاظ سے ایک وکیل تھے' پہلی بار مکہ مکرمہ ہی میں سنا۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران عربی زبان و دینی علوم کی تحصیل کے علاوہ میرا یہ کام بھی تھا کہ حج کے موقع پر عالم عرب کے لوگوں سے تعلقات پیدا کروں۔ دوسرے حج کے موقع پر مصر سے اخوان کا ایک وفد اسکندریہ یونی ورسٹی کے ایک استاد ڈاکٹر عبدالعزیز کامل کی قیادت میں آیا۔ اس میں اسکندریہ یونی ورسٹی اور قاہرہ یونی ورسٹی کے طلبہ حج پر آئے ہوئے تھے' ان میں سے قاہرہ یونی ورسٹی کے ایک طالب علم محب الدین المحجری سے میرا گہرا تعلق ہو گیا' خط و کتابت رہی۔

پھر جب اگست ۱۹۵۳ میں مصر گیا تو ان محب المحجری سے ملا۔ میں شروع میں وسط شہر میں قصر عابدین کے پاس شارع عبدالعزیز پر ایک فلیٹ میں بعض پاکستانی طلبہ کے ساتھ مقیم تھا' تنہا تھا اور کمرے کا کرایہ بھی زیادہ تھا' محب المحجری جو شہر کے کنارے پر ایک نوآباد محلہ الدقی میں رہتے تھے' مجھے بہ اصرار اپنے اس فلیٹ میں لے گئے جو اگرچہ شہر سے دور تھا لیکن کشادہ اور ارزاں تھا اور اس میں ان کے ساتھ مصر کے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے چار اور اخوانی نوجوان بھی رہتے تھے۔ محب المحجری اپنا کمرہ چھوڑ کر اپنے ایک عزیز کے یہاں جا رہے تھے' مجھے ان کا کمرہ مل گیا۔ اس فلیٹ میں ان اخوانی رفقا کے ساتھ میں نے مصر میں ڈیڑھ سال کا عرصہ گزارا جو میرے لیے بہت اہم تھا۔ الدقی کے اس فلیٹ میں میری اس سادہ اخوانی نوجوان عبداللطیف سے بھی صرف ایک بار ملاقات ہوئی جو پیشے کے اعتبار سے ایک پلمبر تھا اور جس پر ہفتہ عشرہ بعد یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اسی نے جمال عبدالناصر پر اسکندریہ کے ایک جلسے میں گولی چلائی تھی۔ یہ کیسا مہمل اور بے سروپا الزام تھا' اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو میری طرح اس سادہ انسان سے ملے تھے' یا اس کے قریب تھے۔ بہرحال اس کو گرفتار کر کے چند ماہ بعد ہی فوجی عدالت نے پھانسی کا حکم سنا دیا تھا۔

میں اس کے بعد دل برداشتہ ہو کر مصر سے واپس چلا آیا اور قاہرہ یونی ورسٹی کے کلیہ دارالعلوم میں میرے داخلے کا معاملہ اس طرح ادھورا رہ گیا۔ کسی عرب یونی ورسٹی میں تعلیم کا شوق اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بعد میں دمشق میں پورا کرایا۔

میں اس طرح اخوان کے محلہ دقی کے ایک اُسرہ (یونٹ یا cell) کا ایک فرد بن گیا تھا۔ اکثر منگل کے روز ہفتہ وار اجتماع میں اخوان کے (مرکز) الحلمیہ الجدیدہ میں جایا کرتا تھا۔ اس عمومی جلسے میں اخوانی رہنما یا باہر کے آئے ہوئے مہمان تقریریں کیا کرتے تھے' یہیں ایک بار میں نے ایران کی تحریک فدائیان کے نوجوان اور جرأت مند رہنما نواب صفوی کو عربی میں تقریر کرتے سنا۔ اس انقلابی لیڈر کی تقریر بڑی فصیح و بلیغ اور اثرانگیز تھی' اللہ اکبر کے ہزاروں نعروں سے اخوان کا مرکز گونج رہا تھا' چند سال بعد ہی شاہ ایران نے ان کو پھانسی دے دی تھی۔

انھی دنوں اسی مرکز اخوان میں تحریک کے قائد یعنی مرشد عام اخوان المسلمین، جسٹس ریٹائرڈ حسن البضیبی صاحب سے مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ تحریک کے بانی اور پہلے مرشد عام کی ۱۹۴۹ میں مصری خفیہ پولیس کے ہاتھوں شہادت کے بعد یہ دوسرے مرشد عام منتخب ہوئے تھے۔ موصوف مرحوم مصر کے سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج تھے، عمر ۶۵ سال کے قریب تھی۔ بعد میں جب جمال عبدالناصر کے ہاتھوں اخوان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹا اور قید وبند اور ریاستی تشدد کا ایک لامتناہی سلسلہ ۱۹۵۴ میں شروع ہوا تو اس بوڑھے ریٹائرڈ جج اور نرم خو اور نرم گفتار دینی رہنما کو پھانسی کی سزا سنائی گئی جو بعد میں ۲۵ سال کی قیدبامشقت سے بدل دی گئی۔ کئی برس بعد وہ رہا ہوئے اور ۱۹۷۴ میں وفات پائی۔

اخوان المسلمین اور انقلاب مصر: میں جب مصر پہنچا تھا تو شاہ فاروق کے خلاف مصری انقلاب کو صرف ایک سال ہوا تھا۔ یہ وقت مصر میں اخوان کی مقبولیت کا اہم دور تھا اس لیے کہ مصری بادشاہت کے خلاف، جو انگریزوں کا وہاں زبردست سہارا تھی، اخوان بہت سرگرم تھے۔ وہ متعدد بار انگریزوں کے اشاروں پر ناچنے والی مصری حکومتوں سے ٹکر لے چکے تھے۔ فلسطین کی ۱۹۴۸ کی ناکام جنگ میں حصہ لینے کے بعد سے وہ مصری فوجی و سیاسی قیادت کے خلاف، اس کی ناقص کارکردگی اور غداری کی بنا پر بعض مصری فوجی افسران کے ساتھ خفیہ طور پر سرگرم تھے۔ کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ جولائی ۱۹۵۲ کے مصری فوجی انقلاب میں جمال عبدالناصر اور انور سادات وغیرہ کے ساتھ اخوان سے خفیہ طور پر وابستہ بعض اعلیٰ فوجی افسران کا بہت اہم رول تھا۔ میں اس کو ذاتی طور پر جانتا ہوں اور ان افسران کے نام بھی میرے ذہن میں ہیں جو جمال عبدالناصر سے بلند مرتبہ یا اس کے ہم پلہ اور رفیق کار تھے۔ جنرل رشاد مہنا، کرنل ابو المکارم عبدالحی، کرنل عبدالرؤف، عبدالمومن وغیرہ۔

غرض مصر کے فوجی انقلاب کے بعد، اس انقلاب میں اخوان کی شرکت کے سبب حکومت میں ان کی مقبولیت کا یہ سنہرا دور تھا۔ جمال عبدالناصر اور انقلابی کونسل نے اخوان کو بعض وزارتیں بھی پیش کی تھیں لیکن اخوان کی قیادت نے اپنی دینی و فکری شرائط کے تسلیم نہ کیے جانے کے سبب محدود وزارتوں کی اس پیش کش کو رد کر دیا تھا۔ بہرحال ابتدائی دو سالوں میں انقلابی حکومت سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ صدر جنرل نجیب، جمال عبدالناصر اور دیگر وزرا، انقلاب کے بعد شہید حسن البنا کی چوتھی برسی کے موقع پر ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے بھی گئے تھے۔

انقلابی حکومت کی مخالفت اور اخوان پر ظلم و ستم: جمال عبدالناصر کے استبدادی اقدامات اور اشتراکی افکار کے سبب اخوان اور فوجی قیادت میں اختلاف کی خلیج پیدا ہوئی۔ اخوان جمہوری طرز کی حکومت اور انتخابات کے حامی و داعی تھے لیکن جمال عبدالناصر نے اندرونی سازش سے اسلام پسند صدر جنرل نجیب

کو حکومت سے بے دخل کیا' انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کیا' ملک کو اسلامی روش پر ڈالنے اور حکومت کو اسلامی طریقے پر چلانے سے گریز کیا۔ اختلاف کی یہ خلیج اس وقت بہت وسیع ہو گئی جب مصر میں متیم انگریزی افواج کے انخلا پر انگریزوں سے گفت و شنید ہو رہی تھی۔ اخوان ان نرم شرائط کے خلاف تھے جن پر جمال عبدالناصر اور اس کے ہم نوا انقلابی کونسل کے ارکان تیار تھے۔

انگریزوں سے اس مسئلے پر مذاکرات میں مصر کے ہندستانی سفارت خانے نے اہم رول ادا کیا تھا۔ میرا یہ انکشاف یقیناً نیا ہو گا۔ یہ میں سنی سنائی باتیں بیان نہیں کر رہا ہوں بلکہ ذاتی معلومات کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ میں اس وقت ہندستانی شہری تھا۔ ایک پرانے ہندستانی سیاسی کارکن اور مولانا ابوالکلام آزاد اور سبھاش چندر وغیرہ کے پرانے رفیق اور کانگریسی مسلمان عبداللہ المصری اس زمانے میں مصر آئے ہوئے تھے۔ موصوف نے مجھ سے کہا کہ میں قاہرہ میں ہندستانی سفیر علی یاور جنگ بہادر کو عربی پڑھا دوں۔ میں دو بار ان کو عربی پڑھانے سفارت خانے (زمالک میں) گیا' دریں اثنا وہ نیویارک اقوام متحدہ چلے گئے۔ سفارت خانے کے ملٹری اتاشی کرنل مدن نے اس موقع پر مجھ سے عربی پڑھنے کے لیے کہا۔ کوئی ایک ماہ کے قریب ان کو ابتدائی عربی پڑھائی تھی کہ انھوں نے یہ کہہ کر آیندہ کے لیے معذرت کر لی کہ وہ انگریزی افواج کے مصر سے انخلا کے مذاکرات میں مصری قیادت کے ساتھ مصروف ہیں۔ اسی زمانے میں مصریا جمال عبدالناصر کی انڈیا اور نہرو سے دوستی بڑھی جو روس کی طرف جھکاؤ کے بعد مضبوط تر ہوتی گئی اور پاکستان سے مصر کے تعلقات خراب یا سرد ہوتے چلے گئے' جب کہ مصری فوجی انقلاب کی ابتدا میں یہ تعلقات انتہائی قریبی' برادرانہ اور مضبوط تھے اور اخوان تو اسلام کے رشتے کے سبب پاکستان کے شیدائی تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جنوری ۱۹۵۴ میں اخوان کے موجودہ نومنتخب معمر مرشد عام اور اس وقت کے نوجوان مصطفیٰ مشہور نے محلہ منیل الروضہ میں اخوان کی مسجد الشریف میں اسی مسئلہ انخلا پر نماز جمعہ کے خطبے سے قبل ایک پرجوش تقریر کی جس میں فوجی حکومت پر سخت تنقید کی۔ نماز مصطفیٰ مشہور صاحب ہی نے پڑھائی لیکن نماز کے فوراً بعد جب کہ ابھی نمازی مسجد ہی میں تھے' پولیس نے گولی چلائی جس سے بھگدڑ مچ گئی۔ میں بھی اپنے اخوانی رفیق حسین اسکندرانی کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ بہت سے لوگ گرفتار ہوئے' مصطفیٰ مشہور بھی گرفتار ہوئے لیکن بعد میں انھیں چھوڑ دیا گیا' یہ پھر دوبارہ اگست ۱۹۵۴ میں گرفتار ہوئے اور ۱۰ سال کی قید ہوئی' یہ ایک الگ کہانی ہے۔

ان دنوں مصری خفیہ پولیس کے لوگ ہمارے فلیٹ کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ جولائی ۱۹۵۴ میں انقلاب کی دوسری سالگرہ کے موقع پر جمال عبدالناصر نے اسکندریہ کے اپنے جلسے میں ایک ڈراما رچایا۔ اس جلسے میں اس کی خفیہ پولیس کے کارندوں نے فائرنگ کی' جس سے اس کو مطلقاً کوئی گزند نہیں پہنچی لیکن اخوان

کو اس میں متہم کیا گیا۔ مذکورۂ بالا اخوانی پلمبر عبداللطیف کو گرفتار کر کے اور اس پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر ایک دو ماہ میں پھانسی دے دی گئی اور اخوان پر سخت داروگیر ہوئی۔ ان کے خلاف ٹیلی وژن، اخبارات (جو سب قومیا لیے گئے تھے) میں مہم چلائی گئی، سرکاری غنڈوں کے ذریعے ان کے مرکز کو جلوا دیا گیا، اخوان کی تمام قیادت کو گرفتار کر لیا گیا، جن میں سرکردہ وکلا، علما، بڑی کمپنیوں کے مالکان اور یونی ورسٹیوں کے پروفیسر شامل تھے۔ یہ سب اس لیے کیا گیا کہ اخوان کی اشتراکی رجحانات کی مخالفت کو ہمیشہ کے لیے کچل دیا جائے۔

یہ بات مصری فوجی قیادت کو اچھی طرح معلوم تھی کہ اخوان کی ایک رضاکارانہ نیم عسکری تنظیم (النظام الخاص) کے پاس فلسطین کی ۱۹۴۸ کی لڑائی کا بچا ہوا کافی اسلحہ تھا جو مصری حکومت کی اجازت سے انھوں نے جمع کیا تھا اور کچھ حکومت کی طرف سے بھی ان کو دیا گیا۔ جمال عبدالناصر اور اس کے بہت سے فوجی رفقا جو فلسطین کی اس پہلی ناکام جنگ میں شریک تھے اس بات سے واقف تھے۔ اب انتہائی بددیانتی کے ساتھ الزام یہ گھڑا گیا کہ اخوان نے یہ اسلحہ انقلابی حکومت کو عمومی بغاوت کے ذریعے غیرقانونی طور پر ختم کرنے کے لیے جمع کیا تھا اور ان کا منصوبہ یہ تھا کہ فوجی قیادت کے ارکان کو قتل کر کے رجعت پسند (reactionary) حکومت قائم کر دی جائے۔ اس زمانے میں "رجعیہ" (رجعت پسندی) کی سرکاری ذرائع ابلاغ میں بہت رٹ لگائی جاتی تھی اور اس پردے میں دین داری اور اسلام پسندی کے خلاف کافی زہر اگلا جاتا تھا۔

میں اس موقع پر ایک اور راز سے پردہ اٹھانا چاہتا ہوں جس کو پاکستان اور ہندستان میں شاید ہی کوئی جانتا ہو اور وہ یہ کہ اخوان المسلمین کی امن پسند اسلامی تحریک کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ ساری کارروائی امریکہ کی مدد سے کی گئی۔ ۱۹۶۷ کی مصر اسرائیل جنگ اور مصر کی ذلت آمیز شکست کے بعد، جو مصر کی فضائی قوت کی اسرائیل کے ایک اچانک حملے میں مکمل تباہی کے نتیجے میں واقع ہوئی، ایک اسرائیلی خفیہ ایجنٹ نے ایک کتاب شائع کی تھی جس کا عربی ترجمہ عند ما تحطمت الاسراب، میں نے اس جنگ کے کچھ ہی ماہ بعد بن غازی میں پڑھا تھا۔ کتاب کا انگریزی نام شاید یہ تھا: When the Squadrons were Crushed۔ مصنف نے جو اس دوران مصر میں اسرائیل کے لیے کامیاب جاسوسی کرتا رہا تھا اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ مصر کے فوجی انقلاب کے بعد جو شرق اوسط میں انگریزوں کے قدیمی تسلط کو ختم کرنے کے لیے امریکہ کی موافقت سے ہوا تھا، جمال عبدالناصر نے مصری خفیہ پولیس کے بدلے جو انگریزوں کی تیار کردہ اور مصری بادشاہت کی خدمت گار تھی، ایک نئی خفیہ پولیس منظم کرنے کے لیے امریکہ سے مدد مانگی۔ امریکہ میں اس وقت جرمنی سے بھاگے ہوئے بہت سے نازی پولیس افسران موجود

تھے۔ امریکہ نے ان کو مصر بھیج دیا۔ ان میں سے کچھ نازی بظاہر مسلمان ہو گئے اور انھوں نے اپنے نام مفتی فلسطین محمد امین الحسینی کے نام پر محمد امین رکھ لیے تھے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران الحاج امین الحسینی انگریزوں کی گرفت سے بھاگ کر جرمنی چلے گئے تھے اور انگریزی استعمار کے خلاف برلن ریڈیو سے پروپیگنڈا کرتے تھے۔ اس طرح جو جرمن بھی ان کا نام لے یا یہ کہے کہ ان کے ہاتھوں مسلمان ہوا تھا، مسلمانوں اور خاص طور پر اخوان المسلمین میں بہت محبوب تھا۔ اس طرح یہ جھوٹے نازی جرمن مسلمان وزیر داخلہ زکریا محی الدین کی منصوبہ بندی کے تحت اخوان کے اندر گھسا دیے گئے اور ان کو یہ مہم سونپی گئی کہ وہ اخوان کی صفوں میں بحیثیت جرمن مسلمان سرایت کریں اور ان کی نیم عسکری تنظیم کو ٹریننگ کے لیے اپنی خدمات پیش کریں اور اس طرح اخوان کی اس تنظیم کے پاس موجود اسلحہ کی رپورٹ مصری حکومت کو بہم پہنچائیں۔ یہ کام انتہائی رازداری اور مہارت کے ساتھ کیا گیا۔
اس طرح جمال عبدالناصر کی فوجی حکومت نے اخوان کی اس نیم عسکری خفیہ تنظیم کے اسلحے کے بارے میں جو تفصیلی معلومات حاصل کیں، اسکندریہ کے جلسے میں جمال عبدالناصر پر سازشی طور فائرنگ کے ڈرامے کے بعد جو فوجی انقلابی عدالت تشکیل دی گئی، اس کے سامنے رکھ دی گئیں۔ اس طرح اخوان کو بدنام کیا گیا، ان کے خلاف مقدمے تیار کیے گئے اور چند ماہ میں چند سرکردہ اخوانی لیڈروں، مشہور وکیل اور ممتاز قانون دان و مصنف عبدالقادر عودہ، ازہری عالم شیخ فرغلی جیسے چھ افراد کو پھانسی دے دی گئی۔ انقلابی کونسل کا وہ رکن اور انقلابی عدالت کا وہ سربراہ یعنی کرنل جمال سالم جس نے ان پاک نفوس کو پھانسی کا حکم سنایا تھا، جلد ہی بعد پاگل ہو کر نیویارک کے ایک ہسپتال میں مرا۔

جس کسی کو بھی اخوان المسلمون کی تحریک کو کچلنے میں امریکہ کے جمال عبدالناصر کے ساتھ تعاون میں شک ہو، وہ امریکی محکمہ سراغ رسانی سی آئی اے کے بانی مائلز کوپ لینڈ (Miles Coopland) کی کتاب "The Game of Nations" (قوموں کا کھیل) پڑھے۔ جس میں تفصیل سے ذکر ہے کہ کس طرح امریکہ نے شام میں ۱۹۴۹ سے فوجی انقلابات کا سلسلہ شروع کرایا، اور اس بڑے امریکی جاسوس کا ان میں کیا رول تھا اور پھر اس نے کس طرح جمال عبدالناصر اور اس کے بعض قریبی ساتھیوں سے تعلقات پیدا کیے اور اس کا مصری فوجی انقلاب میں کتنا بڑا رول تھا اور وہ جمال عبدالناصر کے کتنا قریب تھا۔ یہ کتاب ۶۰ کے عشرے کے اوائل میں چھپی تھی، اور مصر، شام، عراق میں اس کا داخلہ ممنوع تھا۔ عربی میں بھی اس کا ترجمہ لعبۃ الامم کے نام سے بیروت میں چھپا تھا۔ انقلابی مصر کے تعلقات امریکہ سے ۱۹۵۴ کے اواخر میں اس وقت خراب ہوئے جب امریکی وزیر خارجہ ڈالس نے واشنگٹن جانے والے مصری وفد کو صرف دو ملین ڈالر کی امداد پیش کی جس کو مصر کی انقلابی حکومت نے اپنی اہانت سمجھا۔ اس کے بعد جمال عبدالناصر نے روس سے

فوجی امداد کی درخواست کی اور تعلقات بڑھائے۔ اس میں انقلابی کونسل کے ایک کمیونسٹ رکن خالد محی الدین نے اہم کردار ادا کیا اور انڈین گورنمنٹ یا خود نہرو نے روس کے ساتھ اپنے رسوخ کو استعمال کیا۔ بالآخر جمال عبدالناصر کے عہد میں مصر کلیتہً روس کے پہلو میں جاگرا لیکن چونکہ اسرائیل کے ساتھ اختلافات حل کرانے اور فلسطین کے مسئلے میں سویٹ روس کوئی موثر عملی مدد نہ کر سکا' اس لیے اپنی وفات سے چند ماہ قبل ماسکو کے سفر سے واپسی پر جمال عبدالناصر نے اپنے نائب صدر انور سادات کو امریکہ سے ربط و ضبط بڑھانے کے لیے سبز اشارہ (green signal) دے دیا تھا۔ بالآخر جمال عبدالناصر کی موت کے بعد مصر امریکہ کی گود میں جاگرا' اسرائیل کو بھی اس نے تسلیم کر لیا اور اس سے سفارتی تعلقات قائم کر لیے۔ اس طرح مصری انقلاب کے وقت امریکہ سے جو دوستی قائم ہوئی تھی' اب وہ دوبارہ برسوں سے پورے عروج پر ہے اور مصری حکومت جس کا سربراہ عرصے سے ایک سابق فوجی افسر ہے' اب امریکہ کے اشارۂ ابرو پر ناچتی ہے۔ امریکہ نے نہایت ہوشیاری سے صلیبی عداوت کے زیر اثر اخوان کی تحریک کو' جو مغربی اثرات کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی' خود ان مصری انقلابیوں سے کچلوا دیا۔

جمال عبدالناصر نے اپنی حکومت میں ہمیشہ ایک ایسے آدمی کو رکھا جس کے امریکہ سے خفیہ روابط تھے اور وہ تھا وزیر داخلہ زکریا محی الدین جس نے' جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' امریکہ سے نازی پولیس افسران حاصل کیے تھے پھر یہی زکریا محی الدین تھا جو ۱۹۶۷ میں مصر کی غیر متوقع تباہ کن جنگ کے وقوع سے ایک دو روز بعد ہی مصر و اسرائیل کے درمیان انتہائی کشیدہ حالات کو امریکہ کی وساطت سے درست کرانے اور جنگ کے منڈلاتے ہوئے خطرات کو دور کرنے کے لیے واشنگٹن جانے والا تھا کہ اچانک اسرائیل نے جون کی ایک صبح سویرے زبردست فضائی حملہ کر کے سارے مصری لڑاکا اور بمبار ہوائی جہاز برباد کر دیے۔ فضائی فوج کے سربراہ کی طرف سے رات بھر برپا رہنے والی راگ و رنگ کی ایک پارٹی کے بعد فضائی افسر اس صبح نشے میں دھت سوئے ہوئے تھے۔

لہٰذا امریکہ کی مدد سے مصری انقلابیوں کے ہاتھوں اخوان المسلمون کی تباہی و بربادی میں کسی شک و شبے کی گنجایش نہیں' کیونکہ صرف اخوان ہی مصر میں ایک ایسی سیاسی و عمومی طاقت تھے' اور اب بھی ہیں' جو ایک طرف لادین کمیونزم اور سوشلزم کے موثر مخالف اور دوسری طرف مغربی سیکولرزم اور مغربی ثقافت کے اثرات کے سخت دشمن تھے اور ہیں۔

جہاں تک امریکہ کی جمہوریت پرستی اور جمہوریت دوستی کے دعوؤں کا تعلق ہے تو یہ مسلمان ملکوں کے لیے نہیں۔ وہ ان ممالک میں فوجی انقلابات برپا کراتا رہا یا ان کی تائید کرتا رہا ہے۔ مذکورہ بالا امریکی جاسوس مایلز کوپ لینڈ کی کتاب میں پیش کردہ شواہد کے علاوہ تازہ واقعہ الجزائر کا ہے جہاں منصفانہ انتخابات

میں تین سال قبل اسلامک فرنٹ کی کامیابی سے ناخوش ہو کر امریکہ نے فوجی حکومت قائم کرا دی اور برابر اس کی تائید کر رہا ہے اور سادے لباس میں فوجیوں کے ہاتھوں وہاں بے گناہ لوگوں کا آئے دن قتل عام ہو رہا ہے اور اس کا الزام ظالمانہ طور پر وہاں کی اسلامک فرنٹ کے کارکنوں پر ڈالا جاتا ہے۔ اس گھناؤنے جرم میں فرانس بھی ملوث ہے۔

ابھی چند ماہ قبل ایک الجزائری فوجی افسر نے لندن میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کے بعد وہاں کے اخبار آبزرور کو انٹرویو دیا ہے کہ اس نے الجزائری فوجی حکومت کی طرف سے پیرس میں ایک تنظیم کو پانچ لاکھ فرانک دیے تھے۔ اور دوسرا تازہ ترین واقعہ ترکی کا ہے جہاں فوج نے ایک جمہوری منتخب وزیراعظم نجم الدین اربکان کو برطرف کر دیا۔ اس وزیراعظم کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اور اس کی پارٹی اسلام پسند ہے اور اس نے ایران سے ایک بہت بڑا اقتصادی معاہدہ کیا تھا۔ امریکہ نے اس منتخب جمہوری حکومت کی برطرفی پر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا بلکہ فوجی مداخلت کی حمایت ہی کی۔

اخوان المسلمین کا دوسرا دور ابتلا: اگست ۱۹۵۴ کے مصنوعی واقعے کے بعد اخوان کی داروگیر اور ابتلا کا جو دور شروع ہوا اس کے نتیجے میں حکومت اور کمپنیوں میں ملازم ہزاروں اخوانی نوجوان جیلوں میں بھر دیے گئے، ۱۰ سے لے کر ۲۰، ۲۰ سال تک کی سزائیں ان کو دی گئیں۔ ہزاروں لوگ خفیہ طریقوں سے سوڈان اور لیبیا فرار ہو کر وطن سے دربدر ہو گئے۔ اس سال کا مجھے اپنے دوست محب المحجری کا ایک واقعہ یاد ہے۔ وہ ان دنوں نئے انقلابی روزنامے الجمھوریہ میں کام کرتا تھا اور ہمارے پاس ہر ہفتے آتا رہتا تھا، اچانک وہ غائب ہو گیا۔ پھر ایک ماہ بعد آیا تو سر گھٹا ہوا تھا۔ ایک راضی برضا رہنے والے نوجوان ثابت قدم مومن کی طرح اس نے ہمیں بتایا کہ اخبار کے ایڈیٹر (انقلابی فوجی افسر) انور سادات کے اشارے پر اسے گرفتار کیا گیا اور اگرچہ اس پر کوئی الزام نہیں تھا لیکن اسے تفتیش کے لیے تین ہفتے جیل میں رکھا گیا، اس کا سر مونڈ دیا گیا اور اس پر کوڑے برسائے گئے۔ پھر اس نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی، کوڑوں کے مار کے اثر سے ساری پیٹھ نیلی ہو رہی تھی اور کہیں کہیں سے کھال ادھڑ گئی تھی۔ اس نے مصری پولیس کی تعذیب (torture) کے جو واقعات بتائے تو اس سے دل لرز گیا تھا، جس میں برف کی سلوں پر ننگا کر کے گھنٹوں لٹانا، مقعد کی راہ سے سائیکل کے پمپ سے پیٹ میں ہوا بھرنا اور کئی کئی راتیں تیز روشنی کے بلب لگا کر سونے نہ دینا، اور پھر سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ کہ صبح و شام ماں بہن کی گالیاں دے کر تذلیل کرنا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض اخوانیوں کی ماؤں اور بہنوں کو جیل خانے میں بلا کر ان کی عصمت دری ان قیدی اخوانیوں کے سامنے کرنا۔

یہ سب ایذا رسانی اور تعذیب کے وہ طریقے تھے جو نازی افسران نے امریکہ سے آکر مصری پولیس کو

سکھائے تھے اور جو جیل خانے کی دیواروں سے باہر نکل کر ہر مصری کی زبان پر تھے۔ اس حکومتی دہشت گردی کا مقصد یہ تھا کہ اخوان کی تحریک کو ہمیشہ کے لیے کچل دیا جائے مگر مصری اشتراکی جلاد جمال عبدالناصر اس میں ناکام رہا۔ اس کی منصوبہ بندی یہ بھی تھی کہ جو اخوان جیلوں میں بھر دیے گئے ہیں ان کی بیویاں اور بچے فقر و فاقے سے مجبور ہو کر اپنے شوہروں' بھائیوں' بیٹوں کو حکومت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کریں مگر جو اخوانی مصر سے بھاگ کر ہزاروں کی تعداد میں سعودی عرب' کویت' سوڈان' شام وغیرہ میں گئے تھے' وہ اپنی آمدنی سے اپنے گھر والوں کے علاوہ ان بے سہارا خاندانوں کی بھی مدد کرتے رہے۔ انھی میں استاذ سعید رمضان بھی تھے' جن کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں اور جو اُن دنوں قاہرہ میں ماہنامہ المسلمون نکالتے تھے۔ یہ ۱۹۴۸ سے دو تین سال کراچی میں رہ چکے تھے' جب اخوان کے مرشد عام حسن البناؒ شہید نے ان کو اُس دور میں قید و بند سے بچنے کے لیے پاکستان بھیج دیا تھا۔

مصر کے بعد شام میں اخوان المسلمین کی تنظیم بہت طاقت ور تھی۔ دمشق یونی ورسٹی کے لا کالج میں اسلامی قانون کے پروفیسراور بعد میں کلیتہ الشریعہ کے ڈین اور میرے استاد ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی یہاں اخوان کے مراقب عام تھے۔ یونی ورسٹی میں یہ تنظیم کافی مضبوط تھی۔ مرحوم سعید رمضان اپنے خاندان کے ساتھ آ گئے تھے اور یہاں سے ماہنامہ المسلمون نکالنا شروع کر دیا تھا۔ میں جب ۱۹۵۵ میں دمشق تعلیم کے لیے گیا تو اکثر ان کے گھر جایا کرتا۔ مصر کی طرح یہاں بھی اخوانی طلبہ و اساتذہ مجھ سے سگے بھائیوں کا سلوک کرتے تھے لیکن مصر کے اخوانی رفقا کی بات ہی کچھ اور تھی۔

اخوان پر ۱۹۵۴ میں مصری انقلابی حکومت نے جو مظالم کیے اور ان کی تحریک کو ممنوع قرار دیا' اس کے صرف دو سال بعد ۱۹۵۶ میں جمال عبدالناصر کے نہر سویز کو قومیانے پر برطانیہ' فرانس اور اسرائیل مصر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور مصر کو جنگ کی دھمکیاں دی جانے لگیں۔ اس موقع پر اخوان نے اپنے اوپر مصری حکومت کے انتہائی شدید مظالم بھلا کر' قومی ضرورت کے تحت حکومت کا ساتھ دیا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ یہی وہ سال تھا جب میں نے دمشق یونی ورسٹی کے تمام طلبہ کے ساتھ وہاں فوجی ٹریننگ حاصل کی تھی۔

اچانک برطانیہ' فرانس اور اسرائیل نے مل کر مصر پر حملہ کر دیا۔ اس مختصر جنگ میں مصر کو شکست ہوئی' اسرائیل نے صحرائے سینا کا مصری علاقہ قبضے میں کر لیا اور برطانیہ و فرانس نے دوبارہ نہر سویز کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ امریکہ کے صدر آئزن ہاور کی مداخلت پر ان ممالک نے اپنی افواج اس شرط پر واپس بلائیں کہ اسرائیل کے جہازوں کو نہر سویز میں گزرنے کی اجازت دی جائے اور برطانیہ و فرانس کو نہر سویز کو قومیانے پر ان کو ان کے حقوق کا مالی معاوضہ نہر کی آمدنی سے دیا جائے۔ اسرائیل نے بھی سینا سے اپنی

فوجیں واپس بلالیں لیکن اس نے اپنی حدود کے قریب کچھ مصری علاقے پر قبضہ قائم رکھا۔

بہرحال اس جنگ اور اپنی شکست کے بعد مصری انقلابی حکومت نے اخوان کے خلاف اپنی عداوت میں کمی کر دی۔ اگرچہ ان کو ان کا صدر دفتر اور املاک واپس نہیں ملے لیکن اس جنگ کے موقع پر جو بے قصور اخوانی جیلوں سے رہا کر دیے گئے تھے، وہ دوبارہ استاذ سید قطب کی رہنمائی میں اپنی پُرامن اسلامی دعوت میں سرگرم ہو گئے۔ سید قطب مصر کے مشہور ادیب، نقاد اور اسلامی ذہن کے مفکر و مصنف تھے، لیکن ان کی تحریریں اور اخوان کی تحریک کا دوبارہ احیا جمال عبدالناصر کو پسند نہیں آیا اور سید قطب کو اور اسی طرح بہت سے اخوانی نوجوانوں کو بھی جو ان سے وابستہ تھے، جیل میں بند کر دیا گیا۔ بعدازاں سید قطب پر ان کی ایک کتاب **معالم فی الطریق** کو بنیاد بنا کر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا کہ یہ کتاب مصری حکومت کے خلاف اکسانے والی ہے۔ پھر ان کو ۱۹۶۶ میں پھانسی کی سزا دے دی گئی، جب کہ دوسرے سیکڑوں اخوانیوں کو قید کی سزا دی گئی۔

اس طرح یہ اخوان کا دوسرا دور ابتلا تھا جس میں ان کے سب سے بڑے مفکر و مصنف کو جس نے جیل میں کئی سال کی محنت سے بیسویں صدی کی بے نظیر تفسیر **فی ظلال القرآن** لکھی تھی، شہید کر دیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے صرف ایک سال بعد ہی اسلام کے لیے اپنی جان دینے والوں اور قیدوبند کے مصائب اٹھانے والوں کا انتقام ۱۹۶۷ کی جنگ میں اسرائیل کے ہاتھوں مصر کی انتہائی ذلت آمیز شکست میں لیا، ہزاروں مصری فوجی قید ہوئے، مصری فوج کا عیاش سربراہ خودکشی کر کے مرا۔ مصر کی روس سے دوستی کسی کام نہ آئی اور ۱۹۷۰ میں جمال عبدالناصر بھی دنیا سے رخصت ہوا۔

اخوان المسلمین جمال عبدالناصر کے بعد: ۱۹۶۷ سے سینا کے وسیع مصری علاقے پر اسرائیل کا قبضہ تھا، ساتھ ہی نہرسویز کا پورا مشرقی ساحل ان کے تسلط میں تھا۔ ان کی اجازت سے ہی تمام ممالک کے جہاز نہرسویز سے گزر سکتے تھے۔ انور سادات چاہتا تھا کہ کسی طرح اسرائیلی افواج کو نہرسویز کے مشرقی ساحل سے ہٹائے، اس کے لیے اس کو اپنی داخلی پالیسی بدلنا پڑی۔ اس نے ہزاروں بے قصور اخوانی قیدیوں کو جیلوں سے رہا کیا، بہت سوں کے مقدمات واپس لیے اور جمال عبدالناصر کی اشتراکیت کے بجائے اسلام کا نعرہ بلند کیا اور اپنے آپ کو الرئیس المومن کہلوایا۔ گو اخوان کی ۱۹۵۴ کے ابتلا سے پہلے کی حالت بحال نہ ہوئی اور نہ ان کو ان کی املاک واپس کی گئیں لیکن ان کو دوبارہ آزادی عمل ملی، اور ساتھ ہی وہ لاکھوں مصری جو جمال عبدالناصر کے عہد میں اشتراکیت کے نیچے پسے ہوئے تھے اور اسلام کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ڈرتے تھے انھوں نے آزادی کی سانس لی۔ اسرائیل دشمنی میں سب مصری ایک ہوئے اور جب ہی انور سادات اس قابل ہو سکا کہ اس نے ۶/اکتوبر ۱۹۷۳ کو اچانک رات کی تاریکی میں نہرسویز کے مشرقی کنارے پر حملہ کر

کے اسرائیلی فوج کو شکست دی اور پھر بعد میں امریکہ کی مدد سے اسرائیل سے معاہدہ سینا کا وسیع علاقہ واپس لیا۔

۱۹۷۱ میں ایک پرانے اخوانی رہنما عمر التلمسانی کو ۱۷ سال بعد جیل سے رہائی ملی اور یہ ۱۹۷۴ میں اخوان کے مرشد عام منتخب ہوئے۔ انھوں نے انتہائی دانش مندی سے اخوان کی بکھری ہوئی صفوں کو دوبارہ یک جا کیا' بہت سے وہ اخوانی جن کو ۱۹۵۴ میں ۱۵' ۱۵ سال جیل کی سزا ہوئی تھی اور وہ اپنے ملک سے باہر تھے' اپنے وطن واپس ہوئے۔ دوسروں کو جیلوں سے رہائی ملی لیکن ابھی تک اخوان کو ملک میں آزاد سیاسی عمل کی اجازت نہیں ملی تھی' جب کہ دوسری پرانی سیاسی پارٹیوں جیسے وفد وغیرہ کو سیاسی عمل کی آزادی مل گئی تھی۔ اخوان نے "وفد" یا بعض دوسری نئی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مل کر انتخابات میں حصہ لیا اور پارلیمنٹ میں اسلامی قدروں کی آواز بلند کرنا شروع کی۔ عمر التلمسانی ہی کے دور میں مصر کے پرانے سیاسی مجلات الدعوۃ وغیرہ جاری ہوئے۔ ۱۲ سال تک تیسرے مرشد عام کی حیثیت سے اخوان کی قیادت کرنے کے بعد ۱۹۸۶ میں عمر التلمسانی نے وفات پائی اور حامد ابوالنصر چوتھے مرشد عام منتخب ہوئے۔

اخوان کے یہ چوتھے مرشد ۱۹۳۳ سے اخوان کی تحریک میں تھے اور ۱۹۵۴ میں ان کو ۲۵ سال کی سزا ہوئی تھی لیکن ۲۰ سال جیل میں گزارنے کے بعد ۱۹۷۴ میں رہائی ملی۔ انھی کے عہد میں اخوان نے مصری سوسائٹی میں دوبارہ اپنے وجود کو پوری طرح تسلیم کرانے کی کامیاب کوشش کی۔ مختلف پیشہ ورانہ تنظیموں' یونی ورسٹیوں کے تدریسی عملے اور قومی اداروں میں وہ پہلے کی طرح داخل ہوئے۔ ان کے عہد میں اپریل ۱۹۸۷ میں اخوان نے دو نئی مصری سیاسی پارٹیوں حزب العمل اور حزب الاحرار کے ساتھ تحالف کرتے ہوئے مصری پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ لیا اور پہلی مرتبہ اخوان کے چھتیس (۳۶) ارکان پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس کے نتیجے میں پارلیمنٹ میں اپوزیشن کی قیادت ان کے ہاتھ میں آئی۔

ہنگامی قوانین (ایمرجنسی) پر احتجاج کرتے ہوئے اور عادلانہ و منصفانہ شفاف انتخابات کی ضمانت نہ ہونے کے باعث انھوں نے ۱۹۹۰ کے عام انتخابات کا دوسری اپوزیشن پارٹیوں کے ساتھ بائیکاٹ کیا۔ ۱۹۹۲ میں انھوں نے لوکل باڈیز کے انتخابات میں حصہ لیا۔ ۱۹۹۳ میں حسنی مبارک کے تیسری مرتبہ صدارتی انتخابات کی مخالفت کی جس کے نتیجے میں وہ حکومت کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے اور ان کے ۸۲ ممتاز کارکنوں اور رہنماؤں پر فوجی عدالت میں مختلف جھوٹے الزامات لگا کر مقدمہ چلایا گیا اور ان میں سے ۵۴ کو جیل کی سزا دی گئی۔ ۱۹۹۵ میں انھون نے پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ لیا۔

مرشد عام حامد ابوالنصر کے عہد میں جماعت کا مکمل ادارتی اور تنظیمی ڈھانچہ شوریٰ کی بنیاد پر ۴۰ سال بعد دوبارہ قائم ہوا۔ اخوان کی اعلیٰ ترین تنفیذی کمیٹی "مکتب الارشاد" کے ممبران اور مرشد عام کا انتخاب

عمل میں آیا۔ حامد ابوالنصر وہ پہلے مرشد عام تھے جنھوں نے مرحوم ضیاالحق کے عہد میں ۱۹۸۸ میں اسلامک کونسل آف یورپ کے جلسے منعقدہ اسلام آباد میں شرکت کی، افغان مجاہدین کی قیادت سے ملاقات کی اور درۂ خیبر کا دورہ کیا۔ انھوں نے ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ میں وفات پائی اور ان کے دفن کے فوراً بعد ان ہزاروں اخوانیوں نے جو تدفین میں شریک تھے، مرحوم مرشد عام کے نائب اول استاذ مصطفیٰ مشہور کے ہاتھ پر علی الاعلان اجتماعی بیعت کی۔

اخوان کی موجودہ قیادت اور تازہ ترین صورت حال: موجودہ مرشد عام استاذ مصطفیٰ مشہور کی عمر اس وقت یعنی ۱۹۹۸ میں ۷۷ سال ہے۔ یہ ۱۷ سال کی عمر میں جب وہ منیا کے شہر میں ثانوی اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اخوان کی تحریک سے وابستہ ہو گئے تھے۔ استاذ مصطفیٰ مشہور نے دین کی خاطر چار مرتبہ قیدوبند کی صعوبتیں اٹھائیں۔ پہلی بار شاہ فاروق کے عہد میں وہ ۱۹۴۸ میں جیل گئے اور تین سال انھوں نے جیل میں کاٹے۔ ۱۹۵۱ میں رہائی کے بعد وہ دوبارہ جمال عبدالناصر کے عہد میں ۱۹۵۴ میں گرفتار ہوئے اور ان کو ۱۰ سال کی سزا ہوئی۔ ۱۹۶۴ میں رہائی کے بعد ان کو ۱۹۶۵ میں پھر گرفتار کر لیا گیا اور ۱۹۷۱ میں انور سادات کے عہد میں ان کو رہائی ملی۔ اس طرح انھوں نے شاہ فاروق اور جمال عبدالناصر کے عہد میں ۱۹ سال سیاسی قید میں گزارے۔

۱۹۸۱ میں جب ایک تشدد پسند نئی دینی تنظیم **جماعۃ التکفیر والھجرۃ** کے ہاتھوں فوجی پریڈ کے دوران انور السادات کے قتل کا حادثہ پیش آیا تو اگرچہ اخوان کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن پھر بھی بہت سے اخوانی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا کیونکہ وہ سادات کے اسرائیل کے دورے اور اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے کے خلاف تھے تاوقتیکہ القدس کا شہر فلسطینیوں کو واپس نہ ملے۔ بہرحال حسن اتفاق سے اس وقت مصطفیٰ مشہور ملک سے باہر تھے، اس لیے گرفتاری سے بچے رہے۔ پھر جب پانچ سال بعد مصری حکومت کے شکوک و شبہات دور ہوئے اور اخوانیوں کی اس قتل میں ملوث ہونے کی برأت ثابت ہوئی تو ۱۹۸۶ میں مصطفیٰ مشہور مصر واپس آئے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جمال عبدالناصر کی وفات کے بعد مصر میں رفتہ رفتہ اشتراکیت کا بت ٹوٹا، اور ریاستی جبر و قہر میں کمی آئی اور لوگوں نے آزادی کا سانس لیا، سیاسی پارٹیوں اور دینی جماعتوں کی تشکیل کی اجازت ملی تو مصر میں **جماعۃ التکفیر والھجرۃ** اور **الجماعۃ الاسلامیۃ** کے نام سے دو نئی دینی جماعتیں وجود میں آئیں۔ مقدم الذکر جماعت تو انور السادات کے دورۂ اسرائیل اور اس سے تعلقات قائم کرنے کے خلاف ایک ردعمل کے طور پر وجود میں آئی تھی، اور اسی کے افراد نے انتہائی ماہرانہ منصوبہ بندی اور جرأت کے ساتھ انور سادات کو قتل کیا تھا۔ اس طرح اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ

تشدد کے قائل تھے اور یہی فکر الجماعۃ الاسلامیۃ کی بھی ہے۔ مصر میں گذشتہ چند سالوں میں غیر ملکی سیاحوں کے جو متعدد غیر انسانی اور افسوس ناک قتل کے واقعات ہوئے ہیں ان میں یہی دو جماعتیں یا اور تشدد پسند دینی عناصر ملوث رہے ہیں۔ اخوان المسلمین کا ان سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ ان کے انداز فکر اور منہج عمل میں تشدد کا کوئی گزر ہے۔ جماعۃ التکفیر والھجرۃ کو مصر میں غیر قانونی قرار دینے کے بعد ایک اور تشدد پسند جماعت تنظیم الجہاد کے نام سے قائم ہوئی ہے۔

اسی لیے استاذ مصطفیٰ مشہور نے اپنے منتخب ہونے کے فوراً بعد کویت کے مشہور اور کثیر الاشاعت ہفتہ وار مجلہ المجتمع کو جو تفصیلی انٹرویو دیا تھا، اس میں بہت وضاحت کے ساتھ اس بات کا اعلان کیا تھا کہ ہمارا الجماعۃ الاسلامیۃ اور تنظیم الجہاد سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم تشدد کے کسی صورت میں قائل ہیں۔

"ہمیں بدنام کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے ہم سے تشدد پسندی کی باتیں منسوب کی جاتی ہیں، لیکن حکومت کبھی بھی یہ ثابت نہ کر سکی کہ ہمارا مذکورہ بالا تشدد پسند دینی تنظیموں سے کوئی تعلق ہے، بلکہ ہم تو ہمیشہ تشدد پسندی کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ جب سے ۷۰ کی دہائی کے اوائل میں ہم جیلوں سے رہا ہوئے ہیں، ملک میں تشدد کے کتنے ہی واقعات ہو چکے ہیں لیکن کسی ایک واقعے میں بھی کوئی اخوانی شریک نہیں ہوا"۔

استاذ مصطفیٰ مشہور نے جو کچھ مزید المجتمع کے نمایندے سے ۱۹۹۶ کے اس انٹرویو میں کہا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ گذشتہ نصف صدی سے اخوان پر حکومت کے ہاتھوں نازل ہونے والے مصائب سے ہراساں نہیں اور نہ ان کو بالآخر اپنے نیک مقاصد کی کامیابی میں کوئی شک و شبہ ہے کیونکہ "ہماری زندگی کے امور کا فیصلہ صرف بشری عوامل (human factors) کا مرہون منت نہیں ہوتا بلکہ اس میں الٰہی عوامل (divine factors) ہمیشہ کارفرما ہوتے ہیں اور وہ تائید الٰہی سے مایوس نہیں اور نہ کسی سچے مسلمان کو ہونا چاہیے"۔ انھوں نے یہ بات بہت زور دے کر کہی کہ اخوان بلکہ تمام مسلمانوں کو اس بات سے مطلقاً ہراساں و مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ اسلام دشمن قوتیں جو ہر جگہ اسلام کامل کے خلاف نبرد آزما ہیں، ان کے پاس ہتھیار ہیں، توپیں، ٹینک اور ہوائی جہاز وغیرہ ہیں، جب کہ مسلمان کمزور اور انتشار پسندی کا شکار ہیں۔ کیونکہ "ہم امور زندگی کو مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے نہیں دیکھتے، الٰہی عامل کو ہمیں اپنی فکر کا محور قرار دینا چاہیے۔ اصل کارفرمائی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور نصرت اسی کی طرف سے ہوتی ہے اور مستقبل بالآخر اسلام ہی کا ہے کیونکہ یہی وہ دین ہے جس کو اللہ نے ساری بشریت کے لیے روز قیامت تک پسند فرمایا ہے۔ اس لیے مخالفین خواہ کچھ بھی کر لیں وہ اس دین کو ختم نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنے سینوں میں امید کی

شمع روشن رکھنا چاہیے اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کرنا چاہیے اور ثابت قدم رہنا چاہیے اور ہمیں اس پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں کبھی بھی چھوڑ نہیں دے گا"۔

یہ الفاظ پہلی بار کسی اخوانی لیڈر یا مرشد کے منہ سے نہیں نکلے، بلکہ پہلے ہی دن سے مرشد عام حسن البنا شہید کے زمانے میں یہی ان کے الفاظ اور یہی ان کا یقین اور انداز فکر و عمل رہا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ گو ان پر مختلف ادوار میں مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور بظاہر ان کی تحریک کو ہمیشہ کے لیے کچل دیا گیا لیکن ان کے اخلاص، صبر اور پامردی کے نتیجے میں نصرت الٰہی نے ان کا ساتھ دیا اور ان کو حیات نو ملی۔ اسی الٰہی عامل پر ایقان اور دل میں امید کا چراغ روشن رکھنے کے سبب اخوان المسلمین گذشتہ نصف صدی سے انتہائی مشکل حالات کا مقابلہ کرتے رہے ہیں اور بالآخر تائید خداوندی سے سرخرو ہو کر نکلے ہیں۔

دو تین ماہ قبل حسن البنا شہید کے چھوٹے بھائی جمال البنا جو مصر میں مزدوروں کی بہبودی کی تنظیم کے صدر ہیں، پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے، موصوف کی عمر کوئی ۷۸ سال کی ہے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ اخوان اب بھی حکومت کے معاندانہ رویے کا شکار ہیں، نہ تو آج تک ان کو ان کے کروڑوں روپے کی مرکز کی بلڈنگ کا معاوضہ ملا ہے، نہ ان کی بیسیوں کمپنیوں اور فیکٹریوں کے مالکان کو ان کی املاک کا کوئی معاوضہ ملا ہے، اور نہ ان کو سیاسی عمل کی آزادی ہے۔

ہمارے ملک کے بیشتر لوگ اخوان کی کارکردگی سے ناواقف ہیں۔ انھوں نے نہ صرف مصر، بلکہ شرق اوسط اور یورپ میں آج سے نصف صدی قبل اسلامی بیداری اور اسلام سے لگن کی وہ عظیم لہر دوڑا دی تھی کہ ان عرب ممالک میں قائم ہونے والی اشتراکی اور فوجی حکومتیں بھی اس کو نہ دبا سکیں۔ مصر میں ۱۹۵۴ اور بعد میں ۱۹۶۶ میں جو ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک ان کے ساتھ کیا گیا، اس کی دھندلی سی تصویر گذشتہ سطور میں آ چکی ہے اور پھر تائید خداوندی سے جمال عبدالناصر کی موت کے بعد سے وہ موت و حیات کی کش مکش سے نجات پا کر مصر میں آزادی کی سانس لے رہے ہیں، جب کہ شام و عراق کی فوجی اشتراکی حکومتوں نے ان کو تباہ و برباد کرنے کی جو کارروائیاں کیں، ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے، ان کو اپنے وطن سے دربدر کیا، اور ان کی سرگرمیوں پر کڑی پابندیاں لگائیں وہ آج بھی قائم ہیں، کیونکہ یہ فوجی حکمراں تقریباً ۳۰ سال سے اب تک مسلط ہیں۔ لیکن سوڈان اور اردن میں بحمد اللہ اخوان کے لیے میدان عمل کھلا ہوا ہے اور اب ان کی سرگرمیاں یورپ و امریکہ میں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہیں۔

میں یہ طویل مقدمہ مولانا ابو الحسن علی ندوی کے اس قول پر ختم کرتا ہوں: لا یحبھم اِلاَّ مومن ولاَ یبغضھم اِلاَّ منافق یعنی "ہر صاحب ایمان اخوان سے محبت رکھتا ہے اور صرف منافق ہی ان سے دشمنی رکھتے ہیں" (تحریک اخوان المسلمین ماضی و حال: ناشر مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، نمبر ا، کراچی ۷۴۶۰۰)۔